قسط دوم

# لکھنؤ کی کربلائیں

عالیجناب شیخ تصدق حسین صاحب حنفی ایڈوکیٹ لکھنؤ

## کربلائے شاہ نصیر الدین حیدر

### اربعین تک عزاداری کی داغ بیل

لکھنؤ سٹی اسٹیشن واقع ڈیوڑھی آغا میر کے ریل پر جانب شمال بارہ بنکی یا سیتاپور جائیں تو اگلے ہی اسٹیشن ڈالی گنج کی پشت پر ایک بغیر استرکاری کی عالیشان عمارت محلہ ارادت نگر میں نظر آئے گی جس پر دو بڑے بڑے گول سر کے گنبد اور دو نامکمل مینار ہوں گے۔ یہی نصیر الدین بادشاہ کی کربلا ہے جس کا نام شبیہ کربلا(۱) رکھا تھا۔

داخلہ کا صدر پھاٹک معدوم ہو چکا ہے۔ روضہ کے چاروں طرف غلام گردش تھی۔ اس کا بھی بیشتر حصہ منہدم ہو گیا ہے۔ روضہ کے وسط میں دو درجے ہیں۔ پہلے درجے میں ایک خوشنما چوبی ضریح رکھی ہے دوسرے میں بادشاہ کی قبر ہے، جس پر سنگ مرمر لگا ہے اور ایک چوبی خطیرہ بھی نصب ہے۔ اندرونی حصوں میں تو کہیں کہیں استرکاری ہو چکی تھی جو خراب و خستہ حالت میں اب تک موجود ہے مگر بیرونی حصے بالکل عریاں ہیں۔ ان پر استرکاری کہیں نام کو نہیں ہے۔ روضہ کے صدر دروازہ کے بائیں جانب اس غار یا نشیبی مقام کی نقل تعمیر کی گئی ہے جہاں پر حسب روایت شمر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک تن اطہر سے جدا کیا تھا۔ کربلا کی چہار دیواری کے باہر افتادہ زمین پر تعزیے دفن ہوتے ہیں۔

ابھی کربلا زیر تعمیر تھی کہ بتاریخ ۲۰/ اکتوبر ۱۸۳۷ء کو شاہ نصیر الدین حیدر کو ان کے دشمنوں نے زہر دے کر عالم بالا کو رخصت کر دیا۔ دوسرے روز اپنی ہی بنوائی ہوئی کربلا میں آغوش لحد میں سلائے گئے۔ کربلا کے قیام و بقا کے لئے کوئی وقف بھی نہ کرنے پائے تھے۔ قبر پر قطعہ تاریخ حسب ذیل کندہ ہے۔

بادشاہ نامدار وزیب تخت و چتروتاج
رفت از دنیا سوئے گلزار عقبیٰ آہ آہ
آفتاب عالم آرا شد نہاں زیر زمیں
تیرہ و تاریک دنیا شد زمرگش در نگاہ
مسکن خود ساخت جنت دفن شد در کربلا
حامی دیں ، عدل گستر، دادرس ظل اللہ
از سر افسوس گفتہ سال تاریخش سریر
مردائے وائے نصیرالدین حیدر بادشاہ

۱۲۵۳ھ

بادشاہ کی رحلت کے بعد پھر کسی کو توفیق نہ ہوئی جو عمارت کو مکمل کر کے آراستہ کر دیتا چنانچہ وہ اسی طرح بے رونق پڑی ہوئی ہے۔ پہلے اس کے اخراجات کی متحمل گورنمنٹ ہوتی تھی مگر جب سے شیعہ کالج کربلا کی آراضی پر تعمیر ہوا ہے اس وقت سے اس کے مصارف کالج کے ذمہ ہو گئے ہیں۔

مولوی عبدالحلیم شرر مرحوم بھی اس بارے میں اپنی تصنیف ،گذشتہ لکھنؤ میں تحریر کرتے ہیں:

نصیر الدین حیدر کو ہجوم عیش میں کچھ توفیق نہ ہوئی، دریا پار محلہ ارادت نگر میں انہوں نے ایک کربلا بنوائی جو خود ان کا مرقد قرار پانے والی تھی مگر اس کی خدمت و داشت کی ذرا بھی فکر نہ کی،

---

(۱) تاریخ اودھ از مولانا نجم الغنی رام پوری جلد چہارم۔

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج وہ ڈالی گنج اسٹیشن کے پاس اجاڑ اور خاموش پڑی ہے۔

### ولادت نصیر الدین حیدر

مرزا نصیرالدین حیدر (۱) عرف مرزا علی حیدر شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے نورنظر تھے ۔ ۲۲/ جمادی الاول ۱۲۱۸ھ کو مسماۃ صبح دولت کے بطن سے پیدا ہوئے جو بادشاہ کی بیاہتا بیوی بادشاہ بیگم صاحب کی خادمہ تھی اور بعد میں ممتاز محل کے خطاب سے ممتاز ہوگئی تھی مگر بادشاہ بیگم سوت کا جلاپا برداشت نہ کر سکیں اور صبح دولت کو بعد ولادت نا قابل برداشت اذیتیں دے دے کر چند ہی مہینوں میں ختم کرادیا۔ اس کی لاش جھانکڑ باغ متصل مفتی گنج میں سپرلحد کی گئی ۔ اس کی وفات کے بعد بادشاہ بیگم نے چاہا کہ گل نوشگفتہ نصیرالدین حیدر کو بھی ٹھکانے لگادیں مگر فیض النساء مغلانی نے سمجھا بجھا کر ان کو اس فعل ناجائز سے باز رکھا۔ بعدہٗ بیگم صاحب نے بچہ کو اس نازونعم اور اللہ آمین سے اپنا بیٹا بنا کر پرورش کیا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ نصیرالدین ان کے حقیقی بیٹے نہیں ہیں ۔ بعد تخت نشینی جب نصیرالدین حیدر کو نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کی زبانی پوست کندہ حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے اپنی والدہ ممتاز محل کی قبر پر ایک مقبرہ تعمیر کروایا جو امتداد زمانہ سے اب منہدم ہوکر رہ گیا ہے۔

باپ کی زندگی میں مرزا نصیرالدین حیدر کا خطاب ابوالنصر امتیاز الدولہ سلیماں جاہ صاحب عالم ولیعہد مرزا نصیرالدین حیدر بہادر اسد جنگ تھا۔

### تخت نشینی وزراء

جب غازی الدین حیدر خلد مکاں ہوگئے تو ان کے چشم وچراغ مرزا نصیرالدین حیدر ۲۸ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ مطابق ۲۰/ اکتوبر ۱۸۲۷ء کو ۲ بعمر پچیس سال اورنگ سلطنت پر جلوہ فرما ہوئے پھر پنجشنبہ کو حسب معمول بڑی دھوم دھام اور جلوس شاہی سے حضرت عباسؑ کی درگاہ تشریف لے گئے ۔ چوک چوتھی کی دولھن کی طرح آراستہ تھا۔ کمروں پر جابجا نوبت بج رہی تھی ۔ طوائفیں ناچ کو بیٹھی تھیں ۔ فقرا ومساکین کو ہر طرف روپیہ لٹایا گیا۔ جس کسی نے راہ میں عرضی دی لے لی ۔ نواب معتمد الدولہ آغا میر خواصی میں تھے ۔ درگاہ میں حاضری کا دسترخوان نذر بڑے تکلف سے ہوا۔

نواب معتمد الدولہ آغا میر شاہ مرحوم کے وقت سے وزیر چلے آتے تھے مگر ان کی سابقہ بدسلوکیوں اور کج ادائیوں کی وجہ سے شاہ حال کی طبیعت ان کی طرف سے بہت پر کدورت تھی چنانچہ بمشورہ گورنر جنرل ان کو بتاریخ ۲۰ دسمبر ۱۸۲۷ء بذریعۂ ریذیڈنٹ گرفتار کرا کے خود ان کے دولت خانہ واقع دولت پورہ میں نظر بند کرادیا۔

صاحب رائے مورخ نے ان کی معزولی کی تاریخ کہی۔

آج اس گھر کا سنیچر اترا۔ ۱۲۴۳ھ

معتمد الدولہ کی کل املاک واقع دولت پورہ وغیرہ میں ایک کروڑ روپیہ سے زیادہ صرف ہوا تھا ۔ مطالبہ سرکاری میں ضبط ہوگئی ۔ بماہ اکتوبر ۱۸۳۰ء موصوف کانپور کو روانہ ہوگئے اور ۷ مئی ۱۸۳۲ء کو دار ناپائدار سے بھی کوچ کر گئے ۔ معتمد الدولہ کی معزولی کے بعد بادشاہ بہ نفس نفیس مہمات سلطنت کی طرف متوجہ ہوئے مگر تھوڑے ہی عرصہ میں یہ لہر جاتی رہی اور بتاریخ ۱۵ مئی ۱۸۲۸ء مطابق ۳۰ شوال ۱۲۴۴ھ میر فضل علی کو وزیر اعظم مقرر کرکے پھر رنگ رلیاں منانے لگے ۔ میر فضل علی کو اعتماد الدولہ خطاب ہوا مگر دربار کا رنگ بگڑا ہوا تھا اسی سبب سے موصوف کا رنگ جم نہ سکا اور بددل وشکستہ خاطر ہوکر صرف نوماہ کے بعد اپنے منصب جلیلہ سے دست کش ہوئے

مگر اس قلیل ۱ مدت میں بھی انہوں نے ایک کروڑ روپیہ پیدا کیا اور بہت سے بیش بہا جواہرات بھی ان کے ہاتھ لگے

---

(۱) وقائع دلپذیر ۲ قیصر التواریخ جلد اول صفحہ ۲۸۷

۱ قیصر التواریخ

اس وقت وزیر اعظم کی تنخواہ پچیس ہزار روپیہ ماہوار تھی اور جو رقم مالگذاری خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی اس میں بھی پانچ روپیہ فیصد وزیر اعظم کا حق ہوتا تھا۔ اور جو تحفے تحائف غرضمندوں اور ماتحتوں سے وصول ہوتے تھے وہ ان رقوم کے علاوہ تھے۔

اعتمادالدولہ کے علاحدہ ہوجانے کے بعد بادشاہ نے امور سلطنت کی انجام دہی اقبال الدولہ محمد علی خاں ابن ظفرالدولہ کپتان فتح علی خاں وفخرالدین احمد خاں عرف مرزا حاجی خلف فخرالدین خاں عرف مرزا جعفر اور راجہ رام دیال پر بینی رام بقال کے سپرد کی گئی مگر منشی عبدالواحد مصنف وقائع دلپذیر کے نزدیک چونکہ تینوں وزراء ناکردہ کار اور کم عمر تھے اس لئے اپنے عہدے کے فرائض بحسن وخوبی انجام نہ دے سکے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عیش وعشرت میں پڑ کے گل چھرے اڑانے لگے۔ یہ رنگ دیکھ کر بادشاہ نے تینوں وزراء کو برخاست کردیا اور حکیم مہدی علی خاں کو فرخ آباد سے طلب کرکے بتاریخ ۴ نومبر ۱۸۳۰ء قلمدان وزارت ان کے سپرد کرکے منتظم الدولہ خطاب بھی عنایت کیا مگر بعض وجوہات سے بادشاہ سے ان سے بھی آخر میں نہ بنی اور پونے دو برس گزرنے کے بعد بماہ اگست ۱۸۳۲ء مطابق ۷ ربیع الاول ۱۲۴۸ھ انہیں بھی معزول کردیا۔ ناسخ نے حکیم صاحب کے زوال کی تاریخ نئے انداز سے کہی:

افتاد حکیم از مراتب
تاریخ بطرز نورقم کن
از جائے حکیم ہشت برگیر
سہ مرتبہ نصف نصف کم کن
۱۲۴۸ھ

منتظم الدولہ کا آفتابِ اقبال غروب ہوجانے کے بعد نواب روشن الدولہ محمد حسن خاں عرف مرزا انتھو کا نصیب چمکا اور موصوف بجائے حکیم صاحب فرائض وزارت انجام دینے لگے۔ ۱۸ رنومبر ۱۸۳۲ء کو ان کی وزارت کی منظوری بھی آگئی وہ اپنے فرائض منصبی پانچ برس تک انجام دیتے رہے۔ نصیرالدین حیدر کے انتقال کے تخمیناً ڈھائی مہینے کے بعد بعہد دولت حضرت محمد علی شاہ بائیس لاکھ روپیہ ان کے ذمہ باقی نکلے اسی مطالبہ میں ان کی کل جائداد واقع لکھنؤ ضبط سرکار ہوگئی۔ اس کے بعد وہ کانپور چلے گئے اور وہیں بحالت عسرت وتنگدستی انتقال کیا۔

## ۞ مصاحبین بادشاہ

۱۔ شاہان اودھ[۱] میں نصیرالدین حیدر بادشاہ ولایتی اشیاء اور یورپی طرز معاشرت کے بہت دلدادہ تھے۔ انہوں نے قصر سلطانی کے کمروں میں انگریزی وضع کا فرنیچر نہایت سلیقہ سے مغربی طریقہ پر سجایا تھا۔ ان کے کئی مصاحب بھی انگریز تھے جن کو بیش قرار مشاہرے دیے جاتے تھے ان کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ مسٹر رائٹ معلم جن سے بادشاہ انگریزی زبان کا درس لیتے تھے۔

۲۔ مسٹر مانٹز۔ یہ جرمنی کے اعلیٰ درجہ کے مصور اور ماہر موسیقی تھے۔

۳۔ مسٹر کروپلی۔ یہ مہتمم کتبخانہ تھے۔

۴۔ کپتان میگنس، جو باڈی گارڈ یعنی محافظ ذات شاہانہ تھے۔

۵۔ ڈی ریسٹ (De. Russet) شاہی خط تراش جس نے بادشاہ کے بال جو پہلے بالکل سیدھے سپاٹ تھے انگریزی وضع کے تراش کر ان میں خوبصورت پیچ وخم پیدا کئے تھے جو ان کے گورے چٹے چہرہ پر بہت زیب دیتے تھے۔ یہ حجام بادشاہ کی ناک کا بال ہو رہا تھا۔ جنھوں نے اس کا سرفراز خاں خطاب دے کر سرفراز کیا تھا۔ اس کو مصاحبت کا بھی افتخار حاصل تھا اور اکثر مشربات اور دیگر ولایتی اشیاء اسی کی معرفت خریدی جاتی تھیں۔ اسی وجہ سے ایک قلیل مدت میں وہ لاکھوں روپیہ کا آدمی ہوگیا تھا بقول مس سڈنی ہے (Miss Sydney Hay) مولف ہسٹارک لکھنؤ Historic Lucknow اس نے بادشاہ

---

[۱] Private life of an Eastern King ایک مشرقی بادشاہ کے نجی حالات

اودھ سے تقریباً چوبیس لاکھ روپئے ہر جائز وناجائز طریقہ سے پیدا کیے تھے۔

(۶و۷) رابرٹ ہوم (Rabert Home) وجارج بیچی (George Beechy) یہ دونوں شاہی مصور تھے ان اشخاص کے علاوہ ایک اعلیٰ درجہ کا فرانسیسی رکابدار بھی ملازم تھا جو اپنے آقائے نامدار کے لئے نہایت لذیذ ولایتی کھانے اور مٹھائیاں تیار کرتا تھا۔ شاہی کوچبان بھی آئرلینڈ کا باشندہ تھا مگر آخر الذکر چاروں ملازموں کو مصاحبت شاہ کا شرف حاصل نہ تھا۔ (قیصر التواریخ)

بادشاہ زیادہ تر انگریزی طرز کی پوشاک کوٹ پتلون و نکٹائی وغیرہ زیب تن کرتے تھے اور ہیٹ یعنی چھجہ دار انگریزی ٹوپی بھی لندن کی بنی ہوئی استعمال کرتے تھے۔ دربار میں بھی بجائے مسند کے زرنگار کرسی پر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ منجملہ دیگر لوازمات کے ایک ولایتی محل بھی مسٹر جارج ہاپکنس والٹرز (George Hopkins Walters) کی بیٹی کا کیا تھا جن کو نواب مخدرہ علیا کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ ولایتی محل کرنے کی مثال ان کے پدر نامدار شاہ غازی الدین حیدر قائم کر چکے تھے جنھوں نے اولاً کرنیل عیش کی دختر سے عقد کر کے ان کو مبارک محل خطاب دیا تھا اور بار دیگر ڈاکٹر شارٹ کی بیٹی سے شادی رچا کر ان کو نواب سلطان مریم بیگم کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔

### ۞ محلات

نصیرالدین حیدر کا عقد شہزادہ سلیماں شکوہ کی لاڈلی بیٹی نواب رقیہ سلطان بیگم سے بتاریخ ۱۳ مئی ۱۸۱۴ء شاہ غازی الدین حیدر کے اثر واصرار سے بہ تعین مہر پانچ کروڑ روپیہ ہوا تھا۔ بیگم بلا کی حسین اور بے حد نیک دل تھیں گھر والے ان کو پیار سے بوا سلطانہ کہتے تھے سسرال سے انھیں نواب سلطان بہو صاحبہ خطاب ملا تھا۔ مگر یہ شادی راس نہ آئی شوہر سے ہمیشہ ناموافقت رہی اور باوجود کد خدا ہوجانے کے وہ دوشیزہ ہی رہیں۔ مرزا سلیمان شکوہ حضرت شاہ عالم بادشاہ دہلی کے دوسرے شاہزادے نواب قدسیہ بیگم سے تھے جو ایران کے شاہی صفویہ خاندان کی ایک فرد اور امامیہ مذہب کی پیرو تھیں شہزادہ موصوف بھی اپنی ماں کے مذہب پر تھے بعد ضبطی [1] سلطنت اودھ عملداری سرکار میں بیگم صاحبہ کربلائے معلیٰ چلی گئیں۔ عراق میں چند سال قیام کرنے کے بعد موت نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا اور میٹھی نیند سلا کر دنیاوی بکھیڑوں سے ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا۔

صاحب تاج وتخت ہونے پر نصیرالدین حیدر نے حسینی خانم مخاطب بہ شہزادہ محل کو بموجب عہد وپیمان زمانہ ولی عہدی نواب ملکہ زمانیہ کا خطاب عطا کر کے ان کا وثیقہ دس ہزار روپیہ ماہوار کا مقرر کیا اور علاقہ ہڑپور وہ متعلق بیسواڑہ چھ لاکھ روپیہ سالانہ کا بطور جاگیر بھی مرحمت کیا۔ ملکہ زمانیہ نے ایک عالیشان امام باڑہ محلہ گولا گنج میں بنوایا اور بعد انتقال اسی میں دفن ہوئیں۔ ان کے بعد جارج ہاپکنس والٹرز کی لڑکی ولایتی کر کے انہیں نواب مخدرۂ علیا خطاب دیا۔ ان کا وثیقہ بھی چھ ہزار روپیہ ماہوار ہوا اور جاگیر بھی میاں گنج رسول آباد ضلع اناؤ کی چھ لاکھ روپیہ سالانہ کی مرحمت کی۔

اس کے بعد بھجو طوائف متوطن حسن پور بندھوا کی لڑکی حسینی کا محل ہوا۔ پہلے ان کو خورشید محل خطاب دیا۔ پھر ایک روز مذاق میں اپنا تاج ان کو پہنا دیا اور دوسرا خطاب نواب تاج محل صاحبہ عطا کیا۔ ان کا وثیقہ بھی چھ ہزار روپیہ ماہوار کا ہوا۔ اور جاگیر نواب گنج چھ لاکھ روپیہ سال کی ہوئی ان کے بعد حسب ذیل محلات ہوئے۔

حسینی طوائف مخاطب بادشاہ محل جن کے نام پر ایک محلہ موسومہ ڈیوڑھی بادشاہ محل جھوائی ٹولہ کے قریب اب تک آباد ہے۔

نواب نور محل جن کی ایک عالیشان مسجد بنارسی باغ کے جانب غرب واقع ہے۔ انہوں نے کربلائے معلیٰ میں انتقال کیا سکھ چین خواص مخاطب بہ افضل محل جس سے شہزادہ منا جان پیدا ہوئے۔

---

[1] (قیصر التواریخ)

پھول محل۔ دختر بینی رام بقال وہمشیرہ مختلف البطن راجہ رام دیال ساکن گول دروازہ لکھنؤ۔

حسینی طوائف مخاطب بہ سلطان محل۔

عباسی محل۔ یہ بھی ایک طوائف کی لڑکی تھی۔

آفتاب محل ومہتاب محل۔ دونوں ایک کلانوت کی لڑکیاں تھیں

نواب قدسیہ محل صاحبہ۔ ان کا نام بسم اللہ خانم تھا یہ بادشاہ کی بہت چہیتی بیوی تھیں۔ ۱۷دسمبر ۱۸۳۱ء کو ان کے ساتھ نکاح ہوا۔ ۲۱راگست ۱۸۳۴ء کو انہوں نے زہر کھا کر جان دے دی اور بادشاہ کی نوتعمیر کربلا واقع ارادت نگر کے اندرونی درجہ میں دفن ہوئیں۔

نواب ممتاز الدہر بادشاہ جہاں بیگم۔ قدسیہ محل کے انتقال کے بعد مرزا باقر علی خاں کی دختر یعنی نواب روشن الدولہ وزیراعظم کی بھانجی سے عقد کر کے یہ خطاب ان کو دیا مگر ان کی جزورسی سے ناخوش ہوکر آخر میں انہیں کنگلا محل خطاب دیا۔ موصوفہ چاندی خانہ میں رہتی تھیں وہیں انتقال کیا۔ لاش کربلائے معلیٰ بھیجی گئی۔ ان کا امام باڑہ چاندی خانہ میں اب تک موجود ہے مگر اب کسی اور کے قبضہ میں ہے۔

## ❁ ماھرویان عیش محل

لالہ رام پرشاد رفیق خاص افتخار الدولہ مہاراجہ میوہ رام نے کئی اسامیاں صاحب حسن وجمال جو بازار حسن میں سب سے زیادہ نام آور تھیں ہزار ہا روپیہ خرچ کر کے جمع کیں اور ان کو داخل محل شاہی کر دیا، ان سبھوں کو مجموعی طور پر عیش محل خطاب دیا۔ ان کے علاوہ کرم بخش کسبی وغیرہ جو چوٹی کی طوائفیں تھیں وہ بھی داخل محل ہوئیں حسینان عیش محل کی تعداد کئی سو تک پہنچ گئی تھی۔

## ❁ تعمیرات۔

### (۱) چھتر منزل

اس کی تعمیر شاہ غازی الدین حیدر نے شروع کی تھی مگر نصیر الدین حیدر کے زمانۂ حکومت میں تکمیل کو پہنچی۔ یہ عمارت بادشاہ نے محلات شاہی کی سکونت کے لئے تعمیر کرائی تھی چونکہ اس کے اوپر چتر طلائی لگائے گئے تھے اس لئے اس کا نام چھتر منزل رکھا۔

### (۲) ولایتی باغ

یہ باغ بھی نصیر الدین حیدر نے کوٹھی دلکشا کے آگے لب دریا بی بی پور والی کوٹھی کو جاتے ہوئے بائیں جانب بنوایا تھا۔ اس کا نام ولایتی باغ اس لئے رکھا تھا کہ یا تو یہ ولایتی محل کے لئے بنوایا تھا اور یا اس لئے کہ اس میں ولایتی درخت کثرت سے لگائے گئے تھے۔ واجد علی شاہ نے اس کی چہار دیواری کو بلند کر دیا کیونکہ ان کی بیگمات اکثر وہاں سیر وتفریح کو جایا کرتی تھیں اور اس کے لئے پردہ کی ضرورت تھی یہ باغ اب تک بگڑی ہوئی صورت میں موجود ہے مگر اب اس میں ایک بڑا گھاٹ دھوبیوں کا بنایا گیا ہے اور ۱۸۵۷ء کے غدر میں کچھ انگریز مرنے والوں کی قبریں بھی ہیں۔

### (۳) تارہ والی کوٹھی

جس میں بادشاہ نے اپنا شہرۂ آفاق رصد خانہ قائم کیا تھا۔

### (۴) درگاہ بارہ امام

شیر دروازہ کے اندر تعمیر کرائی تھی جو اب موجود نہیں ہے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں منہدم ہوگئی۔

### (۵) کربلا

واقع ارادت نگر جو نا تمام رہ گئی۔

ان عمارتوں کے علاوہ انہوں نے لکھنؤ میں دو محلے گنیش گنج اور چاند گنج بھی آباد کئے۔ چاند گنج کے راستہ میں ایک عظیم الشان قوش خانہ یعنی زندہ جانوروں کا عجائب خانہ بھی بادشاہ نے آراستہ کیا تھا۔ اس میں مختلف قسم کے عجیب وغریب جانور بکثرت موجود تھے۔

## ❁ کارھائے رفاہ عام

جب نصیر الدین حیدر مالک تاج وتخت ہوئے تو ان کی بھرپور جوانی تھی۔ اور طبعیاً بھی بہت عیش پسند اور حسن پرست واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی ان کے عہد دولت میں آسائش خلق

کے بہت سے کام ہوئے۔ یہ کارہائے خیر اکثر وبیشتر بہ زمانہ و زارت نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں واقع ہوئے جن کو امور آسائش عامہ سے بہت دلچسپی تھی ان کارہائے رفاہ عام کے حالات مختصراًدرج ذیل ہیں۔

**۞ شاہی اسپتال ویونانی شفاخانہ**

جوزف کیوراس (Joseph Quieros) نے ایک کوٹھی حضرت گنج میں موجودہ کونسل چیمبر کے مقابل جانب بنوائی جنہوں نے ۱۸۲۲ء میں انتقال کیا۔ ان کی رحلت کے بعد ان کے ورثاء نے کوٹھی مذکور بدست نصیرالدین حیدر فروخت کرڈالی۔ شاہ موصوف نے اس میں ایک اسپتال قائم کیا اور کوٹھی دارالشفاء کے نام سے مشہور ہوئی اس کے بعد ۱۸۶۴ء میں اسپتال وکٹوریہ اسٹریٹ کی عمارت میں منتقل کردیا گیا، تاکہ جو لوگ انگریزی طریقہ علاج کو پسند کرتے ہوں وہ اس اسپتال میں علاج کرائیں۔ اسپتال میں سب سے پہلے معالج ڈاکٹر اسٹیونسن (Dr. Steunson) مقرر ہوئے۔ اسپتال کے علاوہ ایک یونانی شفاخانہ بھی چوک بازار میں قائم کیا گیا تاکہ جو لوگ یونانی علاج کو ترجیح دیتے ہیں وہ وہاں کے طبیب سے رجوع کریں۔ شفاخانہ میں سب سے پہلے حکیم مرزا علی اکبر پسر حاجی غوغائی مقرر ہوئے۔ یہ دونوں ادارے اب تک قائم ہیں اور پبلک کو معقول فائدہ پہونچا رہے ہیں۔ دارالشفا والی قدیم کوٹھی ۱۸۴۴ء میں حضرت امجد علی شاہ نے اپنی بیگم ملکہ عہد کو دے دی اب یہ کوٹھی گورنمنٹ کے سکریٹریوں کی قیام گاہ ہے۔

**۞ خیرات خانہ**

بتاریخ ۱۲ دسمبر ۱۸۳۳ء شاہ نصیرالدین حیدر نے مبلغ تین لاکھ روپئے بتقرر سود چار روپیہ فیصد سالانہ رزیڈنسی میں جمع کردیئے جن کا منافع ایک ہزار روپیہ ماہوار ہوا۔ اور موصوف نے ایک حکم نامہ بھی جاری کیا کہ ان کے نام سے ایک خیرات خانہ قائم کرکے رقم سود لنگڑوں، لولوں، اندھوں، اپاہجوں اور دیگر مفلس محتاجوں کی پرورش میں صرف کی جائے چنانچہ حسب الحکم شاہی ایک غریب خانہ وکٹوریہ اسٹریٹ پر قائم کیا گیا جو خیرات خانہ نصیرالدین حیدر شاہ اودھ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کارخیر اب تک جاری ہے اور اس میں بلا لحاظ مذہب وملت ہر مستحق شخص کی پرورش کی جاتی ہے۔

**۞ آھنی پل**

اس پل کا ساز وسامان نواب سعادت علی خاں نے برمنگھم سے تین لاکھ روپیہ میں منگایا تھا اس کا نقشہ ولایت کے ایک مشہور انجینئر مسٹر رینی (Reunie) نے تیار کیا تھا مگر اس کے ہندوستان پہونچنے کے قبل نواب موصوف کا انتقال ہوگیا اور یہ کل سامان عرصہ تک رمنہ میں پڑا رہا۔ نواب مرحوم کے بیٹے وجانشین غازی الدین حیدر نے اسے منحوس سمجھ کر پل قائم کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ نصیرالدین حیدر کے زمانہ میں اس پل کو بیلی گارد کے پھاٹک کے سامنے دریا پر قائم کرنے کی کوشش کی گئی اور سینکلر صاحب شاہی انجینئر کے متعلق یہ کام کیا گیا مگر زمین ریتیلی تھی، موصوف کامیاب نہ ہوسکے۔ بیلی گارد کے مغربی پھاٹک کے سامنے ایک گول پایہ جو پل کے لئے تعمیر کیا گیا تھا، اب تک لب دریا موجود ہے۔ اس کے بعد بزمانۂ شہریاری حضرت امجد علی شاہ اس پل کو ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں زیر اہتمام کرنیل فریزر انجینئر موجودہ مقام پر قائم کیا گیا۔ ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ علاوہ قیمت پل اس کی تعمیر میں صرف ہوئے۔ کپتان مہدی علی خاں مقبول الدولہ قبولؔ نے تاریخ کہی جو درج ذیل ہے۔

ہے جو دریائے کرم امجد علی عالم پناہ
شاہ جزو کل کا جس کو خالقِ کل نے کیا
چشم گردوں نے نہ دیکھی ہوگی پانی پر سڑک
رستہ جاری فیض شاہ باتجمل نے کیا
سخت مشکل تھا ہوا پر جسر آہن کا قیام
محکم استقلال شاہ باتجمل نے کیا
بن سکا تھا کب کسی کے عہد میں پل آہنی
بارہا قصد اہل عقل و اہل تامل نے کیا

یہ کہی تاریخ، جس دن بن چکا پل اے قبولؔ
رستہ کیا دریا کا موم آج آہنی پل نے کیا ۱۲۶۱ھ

## ۞ رصد خانہ

جو زیر اہتمام کپتان ہربرٹ صاحب رمنہ موتی محل میں بننا شروع ہوا، جن کو سرکار شاہی سے سترہ سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ دوران تعمیر میں ہربرٹ صاحب قضا کر گئے۔ ان کے بعد کرنل ولکاکس انجینئر مقرر ہوئے۔ رصد گاہ یعنی تارہ والی کوٹھی انہیں کی نگرانی میں بن کر تیار ہوئی۔ عمارت کی تیاری میں ساڑھے چار لاکھ روپئے صرف ہوئے۔ شاہ نصیرالدین حیدر نے کرنل مذکور کو چودہ پارچہ کا خلعت دیا۔ یہ رصد خانہ تمام ہندوستان میں بے مثیل و بے نظیر تھا۔ اس میں مولوی اسمٰعیل شہیدی وغیرہ علما بطور طالبعلم کے داخل ہوئے تھے۔ صاحب موصوف نے دس سال میں نہایت جانفشانی وعرق ریزی سے کتب مشاہدات کواکب حسب سرشتہ مرتب کر لی تھیں جن کی طباعت کے لئے سات ہزار روپیہ بھی ان کو خزانۂ شاہی سے مرحمت ہو گئے تھے مگر ۱۸۴۷ء میں موصوف دفعتہ پیک اجل کا نشانہ ہو گئے، جس پر آخری شاہ اودھ واجد علی شاہ نے باقی عملہ کو برطرف کر کے یہ محکمہ ہی ختم کر دیا۔ رصد خانہ میں چند اعلیٰ درجہ کے آلات موجود تھے جو بحفاظت تمام رکھ دیے گئے تھے مگر احمد اللہ شاہ عرف ڈنکہ شاہ نے غدر کے زمانہ میں اسی کوٹھی میں اپنا مورچہ قائم کیا تھا۔ اسی زمانہ میں سب آلات غائب ہو گئے۔ یہ کوٹھی تارہ والی کوٹھی کے نام سے مشہور تھی۔ اب اس میں امپیریل بینک قائم ہے۔

## ۞ نہر شاہ غازی الدین حیدر

راجہ بختاور سنگھ کے ترغیب دینے پر کہ اگر ایک نہر دریائے گنگا مقام کانپور سے جو اٹھائیس کوس کے فاصلہ پر ہے، اودھ میں لائی جائے تو یہاں کے کاشتکاروں کو نفع عظیم حاصل ہوگا۔ شاہ غازی الدین حیدر نے اس کا اہتمام خود راجہ کے متعلق کر دیا جنھوں نے نادانستگی سے ٹرکٹ صاحب نجار کو اس کے کھودنے پر مامور کیا۔ وہ انجینئری کے کام سے بالکل ناواقف تھے، اس لئے مطلق کامیابی نہ ہوئی۔ لکھنؤ کی زمین گنگا سے تین فٹ بلند ہے۔ پست مقام سے بلند جگہ پر پانی کا لانا آسان کام نہ تھا۔ یہی وجہ اس کے نقص کی ہوئی۔ چھ لاکھ روپیہ راجہ بختاور سنگھ کا اس پر صرف ہوا جو معتمد الدولہ نے مجرے نہ دیا۔ راجہ نے کہا میں نے گنگا جی کی نذر کیا۔ اٹھائیس ہزار بیگہ زمین کی زراعت نہر کی وجہ سے جاتی رہی اور چوروں درندوں کی جائے پناہ ہو گئی۔ اس کام میں سلطنت کا زر کثیر صرف ہوا مگر زیادہ تر فائدہ چند ٹھیکہ داروں کا ہوا جنھیں کھدائی کا کام سپرد ہوا تھا۔ یہ نہر شہر لکھنؤ میں بنارسی باغ کے مشرق اور ہیولاک روڈ کے متوازی جنوبی حصۂ شہر میں نظر آتی ہے مگر سوائے موسم برسات کے اس کی زمین ہمیشہ خشک رہتی ہے۔ برسات میں زائد پانی نالی کی طرح اس میں بہ جاتا ہے۔ بزمانۂ حکومت نصیرالدین حیدر جب میجر ڈیوڈسن آئے تو انہوں نے اس کے نقص پر بڑا افسوس کیا۔ بادشاہ کو منظور تھا کہ نہر کی درستی ہو جائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ کئی برس تک صاحب کو تنخواہ ملا کی جس سے کافی سرکاری نقصان ہوا۔

## ۞ چھاپہ خانہ

لیتھوگراف کا ایک چھاپہ خانہ اشاعت کتب کے لئے قائم کیا ارچر صاحب اس کے مہتمم ہوئے۔ پانسو روپیہ ماہوار ان کو تنخواہ ملتی تھی۔

## ۞ مدرسۂ سلطانیہ

ایک مدرسہ [1] سلطانیہ قائم کیا، جس میں ہزار ہا لڑکے داخل ہوئے۔ ہر بیس لڑکوں پر ایک مدرس مقرر رہا۔ نادار طلباء کو پانچ سو روپیہ فی کس کے حساب سے وظیفہ بھی دیے جاتے تھے۔ یہ مدرسہ نواب سعادت علی خاں کے مقبرہ واقع قیصر باغ کے چاروں سمت والے ایوانوں میں قائم کیا گیا تھا جس کا اب نشان بھی باقی نہیں ہے۔

## ۞ انگریزی اسکول

ایک مدرسہ انگریزی زبان کے طالبعلموں کے لئے بھی باہتمام ریزیڈنٹ قائم کیا۔

---

[1] تذکرہ گل رعنا

### ۞ کوڑھی خانہ

مبروصوں کے قیام وعلاج کے لئے ایک صحت خانہ کاٹھ والے پل کے قریب تعمیر کرایا۔ اس عمارت کے نصف حصہ میں اب نارمل ٹریننگ اسکول ہے اور نصف میں کوڑھی خانہ ہے جو یکم اپریل ۱۹۲۹ء سے زیر اہتمام کنگ جارج میڈیکل کالج ہوگیا۔

### ۞ دیگر اصلاحات

نصیرالدین حیدر ہی کے عہد حکومت میں بردہ فروشی اور ستی کی ہولناک رسم بھی ممالک محروسہ میں یک قلم موقوف کی گئی۔ راجپوت لوگ اپنی لڑکیوں کو زمانہ شیر خواری میں فنا کر دیتے تھے اس لئے شیر خوار بچوں کا قتل بزور قانون بموجب فرمان شاہی مورخہ ۱۵ مئی ۱۸۳۳ء روک دیا گیا۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ، لکھنؤ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ / مارچ ۱۹۴۷ء ص ۲۵ تا ۳۵ ر



بادشاہ موصوف ہی کے عہد میں کسی شخص کا کسی عضو سے محروم کر دینا یا خواجہ سرا بنانا بھی قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔ شاہ اودھ نے ان مخالفتی احکامات کی اطلاع ریزیڈنٹ کو ۱۴ر جولائی ۱۸۳۳ء کو کر دی جنہوں نے ۶ر نومبر ۱۸۳۳ء کو ان کے متعلق اپنی گورنمنٹ کو مطلع کر دیا۔ ٹھگوں اور ڈکیتوں کے استیصال و بیخ کنی میں بھی انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

### ۞ بادشاہ کے عادات وخصائل

سید کمال الدین (۱) جو شاہ نصیرالدین حیدر کے معاصر تھے ان کے عادات اور خصائل و دیگر امور کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

حضرت شاہ زماں اپنے عہد سلطنت میں حرکات و افعال شباب جوانی سے کبھی فارغ نہ ہوئے۔ سال بھر کے عرصہ میں ہر نئے محل کو دوسرے پر فوق ہوتا تھا اور ان مصارف عیش وعشرت اور نذر ائمہ معصومینؑ اور رسومات وعزاداری محرم وایام چہلم وتیاری امام باڑہ بارہ امام علیہم السلام اور ان سب کی آراستگی اور پوشاک ہندوستانی وانگریزی اور فرمائشات شاہی اور اخراجات محلات معلیٰ میں جس قدر زر اندوختہ جنت آرام گاہ (نواب سعادت علی خاں) تھا اور جو مصارف حضرت خلد مکاں (غازی الدین حیدر) سے بچ رہا تھا سوائے آمدنی ممالک محروسہ وہ سب صرف ہوگیا۔ مشہور ہے کہ شیر مال اور باقر خوانی خاص نصیرالدین حیدر کے باورچی میاں ممدو کی ایجاد ہے۔ مولانا عبدالحلیم شررؔ نے بھی گذشتہ لکھنؤ میں اس کی تصدیق کی ہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ ڈھیلے پائچوں کا پائجامہ و پنج گوشیہ ٹوپی خود بادشاہ کی ایجاد ہے یا ان کے عہد دولت میں ایجاد ہوئی۔

اس اجمال [۱] کی تفصیل یہ ہے کہ بادشاہ اپنے تئیں ائمہ علیہم السلام کا شیدا ہزار جان و دل کے ظاہر کرتے تھے۔ جب کسی امامؑ کی ولادت کا جشن مسرت ہوتا تو شادیانے بجتے اور جو رسمیں ایام ولادت کے لئے مخصوص ہیں وہ چھٹی کے دن تک نہایت تکلف سے ادا ہوتیں۔ مابعد ہزار خواں ہر قسم کے پر تکلف اور لذیذ کھانوں اور مٹھائیوں کے جن میں ہر قسم کے میوے بھی رکھے ہوتے وہاں لاکر ان پر نذر دلا کر خاص خاص جگہ حصے بھیجے جاتے اور محل کی خادماؤں کو بھی تقسیم کئے جاتے۔

بادشاہ بیگم نے نصیرالدین حیدر کے جلوس کے پہلے ہی سال یہ حکم جاری کرایا کہ سلطنت کی کل رعایا سیاہ پوش اور عزاداری کی رسم عمل میں لایا کرے اور امامؑ کے چہلم تک شادی بیاہ اور کوئی دوسرا خوشی خرمی کا کام نہ کیا جائے۔ جو شخص اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا وہ مستوجب سزا ہوگا مگر ریزیڈنٹ نے اس حکم کی اجازت نہ دی لیکن بیگم صاحبہ اپنی ضد پر قائم رہیں اور کہا کہ میں نے اپنے ایام اسیری میں اس امر کی نذر مانی تھی اس کے خلاف کس طرح کروں۔ آخر بہ ہزار دقت بادشاہ نے یہ طے کیا کہ اپنا علم نذر کے لئے میں خود چہلم تک عزاداری کرتا رہوں گا دوسرے بندگان خدا کو اپنے فعل کا اختیار ہے۔ ہماری طرف سے کسی پر جبر نہیں ہے۔

---

(۱) قیصر التواریخ جلد اول، ص ۳۱۴

[۱] وقائع دلپذیر نوشتہ منشی عبدالاحد معاصر شاہ نصیرالدین حیدر

بادشاہ نے شیر دروازہ کے اندر فرح بخش کے قریب ایک عالیشان مکان تعمیر کرایا، جس میں بارہ کمرے نہایت شاندار وسیع تھے۔ یہ مکان درگاہ دوازدہ امامؑ کے نام سے موسوم تھا۔ اس میں زربفت کے پرتکلف شامیانے جن میں آبدار موتیوں کی جھالریں ٹنکی تھیں، گنگا جمنی ستونوں پر استادہ تھے اور نہایت خوشنما بیٹھک کے جھاڑ جن میں چالیس چالیس شمعدار کنول روشن ہوتے تھے وہاں رکھے تھے۔ فرش بھی نہایت قیمتی بچھا تھا اور قد آدم آئینے لگے تھے۔ ہر کمرے میں طلائی اور نقرئی ضریح رکھی تھی۔ ہر امام کی تاریخ ولادت پر جو کمرہ ان کے نام موسوم ہوتا۔ اسی طرح ہر امامؑ کی وفات کی تاریخ میں مجلس عزا برپا ہوتی اور ایک بارگاہ پھولوں کی نہایت خوشنما تیار ہوتی تھی۔ شاہی باغوں کے پھولوں کے علاوہ پانچ ہزار روپئے روز کے پھول عشرہ محرم تک بازاروں سے مول آتے تھے۔ اس زمانہ میں خوشبودار پھول دولتمندوں کو بھی بڑی مشکل سے دستیاب ہوتے تھے۔ اس بارگاہ کا طول اندازاً سو قدم اور عرض پندرہ بیس قدم سے زیادہ ہوتا تھا۔ اور کبھی پھولوں کے بجائے سنہری و روپہلی مقیش اور بادلے اور ستاروں کی جھالر استعمال ہوتی تھی۔ عطریات سے بھی وہ مکان بسایا جاتا تھا غرض کہ ہر امامؑ کی تقریب ولادت میں چھ دن تک اور ہر امامؑ کی وفات کی تاریخ میں کئی روز تک اور سیدالشہداءؑ کی شہادت کے زمانے میں چہلم تک بادشاہ بہ نفس نفیس وہاں کی خدمت صدق دل سے بجا لاتے۔ اماموں کی پیدائش کی تاریخوں میں پرتکلف اور لذیذ کھانے مٹھائیاں، میوے اور نفیس کپڑوں کے جوڑے تقسیم ہوتے تھے۔ اور وفات وشہادت کے دنوں میں مرثیہ خوانی ہوتی اور شربت، مٹھائی اور میوہ تقسیم ہوتا۔ ان مدات میں چار پانچ لاکھ روپیہ سے زیادہ ہر سال صرف ہوتے تھے۔ بادشاہ ان امور کے ایسے معتقد تھے کہ محرم کی پہلی تاریخ کو سو پچاس تعزیے در دولت سے عزاخانہ تک برہنہ پا کنکریوں کی زمین پر اپنے سر پر رکھ کر پہونچاتے تھے۔ چہلم تک فرش زمین پر سوتے تھے۔ بادشاہ بیگم، قدسیہ محل اور ملکہ زمانیہ وغیرہ جملہ بیگمات طلائی نقرئی طوق اور زنجیریں بادشاہ کی گردن، کمر اور پاؤں میں پنہاتی تھیں۔ جن کا وزن کئی سیر تک پہنچ جاتا تھا۔ بعد ختم ایام عزا یہ سب نقرہ وطلا انعام میں دے دیا جاتا تھا۔

محرم کے دنوں میں تمام راتیں بیداری میں کاٹتے تھے۔ شام سے صبح تک ہر محل میں خود بدولت مرثیہ خوانی کرتے تھے۔ غرض چالیس دن بادشاہ کو روتے کٹتے تھے۔ اس طرح نصف سال عزاداری میں گذرتا۔ ان ایام میں کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ کسی دنیاوی کام کا ذکر ان کے سامنے کرسکتا۔ مرزا رجب علی بیگ سرور بھی جو نصیرالدین حیدر کے ہمعصر تھے، واقعات مندرجہ بالا کی تصدیق اور تائید کرتے ہوئے کچھ مزید حالات فسانہ عبرت میں حسب ذیل بیان کرتے ہیں:۔

عشرۂ محرم کا یہ حال تھا کہ راہ چلتوں کو مسکرانا محال تھا۔ روز شب غم اہلبیت میں رونا، اربعین تک زمین پر سونا، لباس آبی یا سیاہ، ہر دم لب پہ نالہ و آہ۔ ہزار ہا روپیہ اور جہان کی نعمت مرثیہ خوان و سید محتاج آب و نان پاتے تھے۔ تحصیل حسنات وثواب فرماتے تھے۔ دوازدہ امامؑ کی درگاہ، صاحب الامر کا غار بنوایا۔ لاکھوں روپئے کا اسباب چڑھایا۔

اپنی مشہور و معروف تصنیف فسانہ عجائب کے دیباچہ میں بھی وہ بادشاہ کے مذہبی انہماک کے بارے میں حسب ذیل رقمطراز ہیں:۔

دوازدہ امامؑ کی درگاہ ایسی بنائی کہ چرخ گرداں کو خواب میں نظر نہ آئی، بجز غم حسینؑ شہریار کو غم واندوہ نہیں۔ کوئی اس زمانے میں شاد و خرم نہیں۔ اربعین تک عزاداری ہوتی ہے۔ خلق خدا ماتم میں روتی ہے۔ لاکھوں روپیہ اس راہ میں صرف ہوتا ہے۔ روز تولد ہر امامؑ و وفات جگر بندان خیرالانام لاکھ لاکھ روپیہ کا صرف ہے۔ اس کی ہمت کے آگے فیاضان گذشتہ برطرف ہے۔ بادشاہ کے ایک یورپین [1] مصاحب بھی کا تذکرہ کرتے ہوئے ناقل ہیں:۔

---

[1] ایک مشرقی بادشاہ کے نجی حالات

امام باڑہ میں مجالس عزا صبح وشام دو مرتبہ منعقد ہوا کرتی تھیں جن میں شام کی مجلس زیادہ دلچسپ ہوتی تھی کیونکہ اس میں خوب مجمع ہوتا تھا۔ کہ بادشاہ سلامت ماتمی لباس پہنے اور سر پر مور کے پروں کا تاج پہنے ذاکر کے روبرو بیٹھے ہوتے ہیں ان کے پیچھے ان کے ہندوستانی ملازم کثرت سے بیٹھے ہیں جو دو دو کی قطار باندھے۔ گردنیں جھکائے، نظر نیچے کئے اور غمگین صورت بنائے امام باڑہ میں داخل ہوتے تھے۔

محرم بھر اسی طرح مجالس عزا امام باڑوں میں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ خود بادشاہ سلامت کو اس قسم کے مذہبی مراسم کے ادا کرنے میں بے حد شغف اور انہماک تھا۔ اربعین تک بادشاہ نے اپنے ذکور اعزہ یا احباب ہی کے مجمع میں رہا کرتے تھے۔ دعوتیں نہیں دیتے تھے۔ اور عیش وعشرت کے جن سامانوں کے بڑے دلدادہ تھے ان سب کو ترک کئے رہتے تھے اسی طرح انگریزی مذاق کی جتنی چیزیں ان کو بالطبع مرغوب تھیں ان سب سے کنارہ کش ہوجاتے تھے۔ بادشاہ سلامت یوں تو بہت محتاط تھے مگر ایک مرتبہ اپنی حکومت وخودمختاری کے زعم میں بزمانہ محرم انگریزی پوشاک اور لندن کی بنی ہوئی چھجہ دار ٹوپی پہنے امام باڑہ میں چلے گئے اس پر مسلمانوں نے بہت کچھ نفرین وملامت کی اور لوگوں نے گردنیں ہلا ہلا کے اور داڑھیاں پھٹکار پھٹکار کر کے خوب چرچے کئے۔ عہد نصیری کا ایک مقبول عام سوز درج ہے۔

بے چین تھی صغریٰ جو فراق پدری سے
نت اٹھ یہی کہتی تھی نسیم سحری سے
اے باد صبا مرتی ہوں درد جگری سے
کہیو کہ جو ہے تو' مرے بابا سے سفر میں
نرگس کی طرح چشم سوئے در نگراں ہے
جلد آؤ کہ ہستی کا چمن اپنا خزاں ہے

شاہ زماں سلیماں جاہ نصیرالدین حیدر کا عہد حکومت سلطنت اودھ کے شباب کا زمانہ کہا جاتا ہے لکھنؤ بہت ہی آباد رشک گلزار تھا۔ جواں بخت و جواں سال بادشاہ کی رنگین مزاجیوں اور آسودہ حال رعایا کی رنگ رلیوں کے آثار ہر سو جلوہ گر تھے۔ شہر کے بانکے ترچھے عجیب وغریب وضع بنائے ہتھیاروں سے آراستہ اوچھی بنے ہوئے ہر طرف اینڈتے پھرتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑنا جھگڑنا کشت وخون کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ دولت وثروت کے کرشمے ہر سمت نظر آتے تھے مگر تخت نشینی سے قبل نصیرالدین حیدر گرداب مصائب میں مبتلا تھے اور گوناگوں آلام روحانی کے شکار ہو رہے تھے۔ معتمد الدولہ نے ان کے پدر بزرگوار غازی الدین حیدر کے کان ان کے خلاف بھر دئے تھے کہ وہ اور بادشاہ بیگم آپ کو زہر دے کر آپ کی شمع حیات گل کرنے کی فکر میں ہیں۔ بادشاہ پر وزیر کا یہ افسوں پورے طور پر چل گیا۔ انہوں نے دونوں ماں بیٹوں کو ایک مکان میں نظر بند کر کے چوکی پہرہ بٹھا دیا۔ بحالت اسیری دونوں کو کئی بار زہر آلود خوراک بھی بھیجی گئی تا کہ دونوں کے نخل حیات کو جڑ سے کاٹ کر یہ قصہ ہی ختم کر دیا جائے اور آئے دنوں کے دغدغوں ولولوں سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے مگر شہزادہ اور بیگم صاحبہ کے گوئندے بروقت اطلاع کر دیتے جس پر دونوں ماں بیٹے کھانے سے دست کش ہوجاتے اور دونوں کی جانیں بال بال بچ جاتیں۔ ان واقعات سے سلطنت کا ہاتھ لگنا تو درکنار نصیرالدین حیدر کو اپنی جان ہی کے لالے پڑ گئے تھے۔ غازی الدین حیدر کے انتقال سے قبل تین برس تک دونوں ماں بیٹے قید وبند کی سختیاں جھیلتے رہے اور آخر میں بخوف زہر خورانی چودہ مہینے یک لخت دونوں چنا چبا چبا کر اور گھوڑوں کا پس خوردہ کھا کھا کر زندگی کے دن کاٹتے اور حیات مستعار کو قائم وبرقرار رکھتے رہے مختصر یہ کہ غازی الدین حیدر کی خفگی اور ناراضگی اور معتمد الدولہ کی سازشوں وفتنہ انگیزیوں سے نصیرالدین حیدر کو اپنے برسر اقتدار ہونے کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی تھی وہ سمجھنے لگے تھے شاید اب یہ ہمائے سعادت غازی الدین حیدر کے نواسہ نواب محسن الدولہ کے سر پر سایہ فگن ہوگا، اسی حالت امید وبیم میں انہوں نے منت مانی تھی کہ اگر مجھ کو تخت شاہی

نصیب ہوا تو اربعین تک عزاداری کیا کروں گا۔ بعد از رنج گنج مثل مشہور ہے۔ یہ دور ابتلا اس طور پر ختم ہوا کہ بتاریخ ۲۰ر اکتوبر ۱۸۲۷ء غازی الدین حیدر چند روزہ علالت کے بعد خلد مکاں ہوگئے جس پر نصیر الدین حیدر کا بخت خفتہ بیدار ہوگیا اور نظر بندی سے گلوخلاصی ہوئی۔ انگریزوں نے انہیں کو شاہ مرحوم کا بیٹا تسلیم کر کے تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ صاحب تاج وتخت ہوتے ہی موصوف کھل کھیلے۔ مدتوں کے دبے ہوئے ارمان نکلنے لگے۔ بے غل وغش روپیہ اڑنے لگا۔ اپنے ہوا خواہوں کو خلعتوں منصبوں وغیرہ سے سرفراز کیا مگر تکلیف اور مصیبت کے وقت جو عہد انہوں نے کیا تھا وہ ان کے دل پر پتھر کی لکیر ہوگیا تھا، اس پر مستقل مزاجی سے قائم رہے اور اربعین تک عزاداری کا سنگ بنیاد رکھا ان کے قبل نواب سعادت علی خاں نے بھی شدید علالت سے چھٹکارا پا کر اربعین ہی تک عزاداری کی تھی مگر یہ ان کی ذات خاص تک محدود رہی کسی اور نے ان کی مشابہت اور تقلید نہیں کی۔ ان کے بیٹے غازی الدین حیدر نے اس طریقہ کو قائم نہیں رکھا بلکہ حسب دستور قدیم صرف امامؑ مظلوم کے سیوم تک عزاداری کرتے رہے۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانہ میں یہ جدید طریقہ اعیان دولت، اراکین سلطنت وروٴسا وشرفاء میں بھی جائز ہوگیا۔ اس طور پر اربعین تک عزاداری کی بنیاد مستحکم ہوگئی۔

نصیر الدین حیدر کے عہد حکومت میں پادری ہیبر صاحب (ورود پادری ہیبر) صاحب بغرض سیر وسیاحت لکھنؤ میں بھی وارد ہوتے تھے ان کی تحریر کا مندرجہ ذیل اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ بعض انگریز مورخین نے اودھ کی حالت پست وابتر ظاہر کرنے میں بہت مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے پادری صاحب تحریر کرتے ہیں اودھ[۱] کے متعلق جو خبریں میرے کانوں تک پہنچ چکی تھیں ان کا لحاظ کرتے ہوئے ملک میں اسقدر زیادہ زراعت پا کر مجھے بڑی مسرت وحیرت ہوئی کیونکہ اگر وہاں ظلم وستم کا اتنا دور دورہ ہوتا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تو ملک اتنا آباد اور پر صفت ہرگز نہ ہوتا۔ میں نے زراعت اتنی اچھی حالت میں پائی جس کی مجھ کو ہرگز توقع نہ تھی۔ لکھنؤ سے سانڈی تک جہاں میں یہ مضمون مرتب کر رہا ہوں مقبوضات شاہی ویسے ہی سرسبز وشاداب ہیں جیسے کہ کمپنی کے ہیں۔

۱ چمن بے خزاں حصہ اول

## ذوق سخنوری

نصیر الدین حیدر کو شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ اردو وفارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے، پادشاہ تخلص تھا۔ لوگ رسماً کہا کرتے ہیں کہ کلام ملوک ملوک الکلام ہوتا ہے، مگر بادشاہ کے کلام میں واقعی زبان کی صفائی، خیالات کی پاکیزگی، مضامین کی جدت اور تاثیر کی چاشنی تھی۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:۔

### غزل

بلبل شیدا نے پوچھا گل سے یوں روز بہار
اے گل رعنا ترے دامن سے کیوں لپٹے ہیں خار
گل نے کر چاک گریباں یوں کہا رو رو کے زار
چشم گل کو نوک مژگاں کی جگہ ہے نوک خار
مطرب و میناوے وساقی نغمۂ چنگ ورباب
سب مہیا ہیں ولے تیرا فقط ہے انتظار
جو گلِ رخسار جاناں کی نہ آئی ان کو تاب
چھپ رہے غنچے وگل غیرت سے ہوکر شرمسار
ہے نزاکت سے گراں سرمہ بھی چشم یار کو
بار کاکل سے کمر کیونکر نہ لچکے بار بار
تیرے مقدم کے لئے اے سیمبر گلزار میں
گل گریباں چاک کر آیا نکل بے اختیار
تیغ ابرو دیکھ کر آئی ندا اے بادشاہ
لافتیٰ الاّ علی لا سیف الاّ ذوالفقار

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ، جمادی الاوّل ۱۳۶۶ھ/ اپریل ۱۹۴۷ء ص ۹ تا ۱۴

فارسی کے یہ چند اشعار تذکرہ آفتاب عالمتاب سے اخذ کئے گئے ہیں:۔

مرحبا اے سندی عالم علم وہبی
ماہ برجے عجمی شاہ سریر عربی
چونسا یند جبیں بردر تو جن وملک
سرور جملہ رسولی وشہ جملہ نبی
اصل نور تو بود فرع ز انوار خدا
بعد ایزد زتو زیبا ست حوائج طلبی
بوئے لطفے برساں پادشہم را بدماغ
اے گل تازۂ رنگیں چمن مطلبی

ان کی یہ غزل بہت مشہور ہے۔

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے
کہ ساقی لئے ساغر مشکبو ہے
سمایا ہے جب سے تو نظروں میں میری
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے
جتاؤں میں کیا اپنا حال پریشاں
عیاں زلف دلدار سے موبمو ہے
چلو قبر فرہاد پر فاتحہ کو
مگر آب شیریں سے لازم وضو ہے
نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے
گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے
ستایا ہے ناحق ہمیں تونے ظالم
یہ انصاف اللہ کے روبرو ہے
کیا چاک وحشت نے ایسا گریباں
نہ بخیے کے قابل نہ جائے رفو ہے
شفق بن کے ہوتا ہے گردوں پہ ظاہر
یہ کس کشتۂ بے گنہ کا لہو ہے
عبث مجھ کو ہنس ہنس کے دیتے ہو گالی
زباں کو سنبھالو یہ کیا گفتگو ہے
اگر اب کی بولا شب وصل جاناں
چھری اور مرغ سحر کا گلو ہے
رہے سایہ پنجتن پادشہ پر
خداوند عالم نگہبان تو ہے

(تذکرۂ خمخانہ جاوید)

جب[1] قدسیہ محل نے زہر کھا کر اپنی جان جاں آفریں کے حوالہ کردی اور بادشاہ بیگم کومعلوم ہوا کہ بادشاہ ان کی جدائی میں بے حد بے چین وبے قرار ہیں تو ماں کی ممتا جوش میں آئی اور چاہا کہ اپنے ہجراں نصیب اورغم زدہ بیٹے کے دل پر تسکین و تالیف کا پھاہا رکھیں چنانچہ وہ بغرض تعزیت روزمرہ کی پوشاک میں تشریف لے گئیں اور بادشاہ کی دلجوئی کر کے فرمایا کہ تمہارا دم سلامت ہے تو قدسیہ محل سے بہتر وافضل عورتیں تمہاری خدمت میں آئیں گی مگر ان کلمات سے بادشاہ اورنمک بہ جراحت ہوئے اور شکایتاً فرمایا کہ آپ نے ماتمی لباس کیوں نہیں پہنا اگر آپ کو مجھ سے دلی الفت ہوتی تو میری شریک ماتم ضرور ہوتیں بیگم صاحب نے فرمایا میں سیاہ پوشاک پہن کر صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کا سوگ مناتی ہوں اور کسی کے لئے نہیں پہنتی۔ میں جانتی ہوں کہ سلطنت کے بدخواہوں نے تم کو میری طرف سے منحرف کردیا ہے۔ یہ گفتگو سن کر بادشاہ بیگم برداشتہ خاطر ہوکر چلی آئیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے بیگم صاحب کے ساتھ بہت ناروا برتاؤ کیا اور انہیں مجبور کیا کہ مکان مسکونہ کا تخلیہ کر کے کسی دوسری عمارت میں منتقل ہوجائیں۔ آخر کار بہت توہین مجادلہ و مقابلہ وخون خرابہ کے بعد موصوفہ مع مناجان الماس باغ چلی گئیں اور بادشاہ کے انتقال تک وہیں مقیم رہیں۔

### اولاد کی تمنا

بادشاہ کے کوئی اولاد[2] نہ تھی اس لئے ملکہ زمانیہ کے مادر جلو بیٹے محمد علی عرف زُنیب کو کیواں جاہ کا خطاب عطا کر کے عرصہ تک اپنا بیٹا اور ولی عہد ظاہر کرتے رہے بلکہ ان کی شادی بھی

---
۱؎ قیصر التواریخ جلد اول
۲؎ وقائع دلپذیر

اپنی ہماہمی سے رکن الدولہ نواب محمد حسن خاں خلف نواب سعادت علی خاں کی بیٹی سے کردی اس کے بعد مرزا رفیع الدین حیدر محمد مہدی فریدوں بخت عرف منا جان مسماۃ سکھ چین مخاطب بہ افضل محل کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ان کو بھی اپنا بیٹا ظاہر کرتے رہے مگر ۱۸۳۲ء میں ان کی دل نواز بیوی قدسیہ محل کے حاملہ ہونے کی خبر مشہور ہوئی۔ بادشاہ ان ہی کے بیٹے کو اپنا جانشین کرنا چاہتے تھے چنانچہ ۱۸۳۲ء میں کیواں جاہ اور منا جان دونوں کو ریذیڈنٹ کے روبرو ناجائز قرار دے دیا بلکہ منا جان کے پسر ناجائز ہونے کے اشتہارات بھی شہر بھر میں نمایاں مقامات پر چسپاں کرا دیے۔ تھوڑا عرصہ گذرنے کے بعد جب قدسیہ محل کے حمل کی خبر بے بنیاد ثابت ہوئی تو اولاد کی آرزو میں شاہ قطب اعظم ایک حنفی المذہب صوفی بزرگ کے ہاتھ پر باصرار[۱] بیعت کی تا کہ ان کے دعاؤں کی برکت سے گوہر مراد حاصلہو جائے مگر اولاد کی نعمت ان کے مقدر میں نہ تھی شاہ صاحب کی دعائے نیم شبی بھی کام نہ آئی۔

## مزاجی حالت

بقول مصنف دربار اودھ، بادشاہ حسن پرست، زود رنج، تمسخر پسند اور مغلوب الغضب تھے، جس پر عتاب[۲] نازل ہوا اس کی سفارش کی کوئی بات نہ سنی۔

جس طرح اودھ کے اول تین فرمانروا اپنی شجاعت اور متانت کے لئے، نواب آصف الدولہ اپنے جود وسخا کے لئے، نواب سعادت علی خاں اپنے تدبر وسیاست کے لئے شہرۂ آفاق تھے اسی طرح نصیر الدین حیدر اپنے قہر وغضب کے لئے مشہور تھے۔

## حلیہ

نصیر الدین حیدر[۳] کے ایک مصاحب کے بیان کے بموجب ان کے چہرے کی رنگت سچی سیپ کی ایسی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سر کے بالوں، ٹھیکوں اور مونچھوں کی کالی کالی رنگت ان کے رخساروں پر بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ آنکھیں چھوٹی چمکدار اور سیاہ تھیں بدن چھریرہ اور قد میانہ تھا۔

## مشاغل تفریح

شاہ موصوف کی تخت نشینی کا پہلا نمایاں کام یہ تھا کہ مطربان دولت سامان عیش ونشاط جمع کرنے میں مصروف ومنہمک ہو گئے۔ ارباب نشاط کے ایکسو طائفہ جو سرآمد چکلہ تھے ملازم ہو گئے۔

مرزا رجب علی بیگ سرور بھی اس بارے میں مزید روشنی ڈالتے ہوئے فسانہ عبرت میں تحریر کرتے ہیں۔

''سو طائفہ شہر کا چیدہ اور سود یہات کا پسندیدہ تھا۔ پھر دن رہے یہ سب حاضر ہوتے ۲۵، ۲۵ طائفے نے ایک رنگ کے جوڑے عنایت سرکار سے پہنے اور اسی میل کے گہنے۔ معلوم ہوتا تھا کہ چمن رواں ہے گلورسی گز بھر جس کا عرض وطول جہاں سے تراش کر کھائے مصالحہ برابر پائے۔[۱]

نصیر الدین حیدر[۲] ہی کے عہد دولت میں ایک فرانسیسی دلکشا کے مقام پر ایک غبارہ میں بیٹھ کر آسمان کی طرف اڑا اور بادلوں میں نظروں سے غائب ہو گیا پھر کبوتروں کی چوٹی پر جو شہر سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ہے زمین پر اترا چودہ ہزار روپیہ انعام میں پائے۔

بادشاہ[۳] خاصہ میز کرسی پر اپنے انگریز مصاحبوں کے ساتھ تناول کرتے۔ کھانے کے بعد دلبستگی کا کچھ سامان ضرور ہوتا تھا کبھی بھانڈ اپنے ہنر دکھاتے۔ کبھی مسخروں کو لطیفہ بازی، کبھی کٹھ پتلی کا ناچ، کبھی بٹیروں، تیتروں اور مرغوں کی لڑائی۔ خاص خاص موقعوں پر رمنہ میں ہاتھی۔ اونٹ، گینڈے اور بارہ سنگھے وغیرہ بھی لڑائے جاتے تھے۔

## انتقال بادشاہ

---

۱ تفصیلات کے لئے دیکھئے تاریخ اودھ مولانا نجم الغنی حصہ چہارم، ص ۳۱۰ ۲ تاریخ اودھ جلد چہارم، ص ۴۱۵

۳ Privete chief of an Eastern King

---

۱ فسانہ عبرت ۲ تواریخ اودھ جلد چہارم

۳ Prince of life an king.

سبب ۱؎ ظاہری علالت مزاج ضعف قوت، سقوط اشتہا، عارضہ شباب جوانی تھا، حکیم مرزا علی خاں معالج تھے۔ ۳؍ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۲۰؍اکتوبر ۱۸۳۷ء جمعہ کا دن تھا۔ اس روز سب طرح سے اچھے تھے۔ شام کو افضل النساء خانم (دھنیا مہری) نواب روشن الدولہ کے یہاں سے آب تربوز لائی، اسے نوش فرمایا۔ اس کے بعد کریلے کھائے جو دایہ مہربان (جعفری خانم) لائی تھیں کچھ رات گئے آرام کیا۔ اس کے بعد بیدار ہوئے ۔فرمایا مجھے سردی سے لرزہ معلوم ہوتا ہے چنانچہ رضائی اوڑھادی گئی، دو ساعت کے بعد بیہوشی رہی۔ چار گھڑی رات گئے روح جسد خاکی سے پرواز کرگئی ۲؎۔ شہر بھر کو نواب روشن الدولہ، دھنیا اور ڈلوی دونوں کہاریوں پر زہر دینے کا گمان ہوا ۔

دوسرے دن بروز شنبہ بعد دوپہر اپنی کربلا میں دفن ہوئے ۔ پہلے امام باڑہ شاہ نجف میں حضرت خلد مکاں غازی الدین حیدر کے پہلو میں دفن کرنے کی تجویز ہوئی تھی مگر حاضرین نے کہا زندگی میں باپ سے کب موافقت تھی جو اس کا لحاظ کیا جائے، چنانچہ کربلائے نو تعمیر مدفن قرار پائی۔ راجہ بختاور سنگھ نے چاہا کہ مقام ضریح میں قبر کھودیں مگر مرزا محمد علی داروغہ تعمیر کربلا نے کہا پہلے میرا سر کاٹ لو پھر قبر کھودنا اس کے بعد راجہ نے پشت ضریح پر جو مسجد کا مقام ہے قبر کھدوائی۔ بقول سید کمال الدین حیدر یہ اور بدتر ہوا کیونکہ مقام ضریح پر جگہ حضرت امام حسینؑ تھی اور وہ خانۂ خدا مگر کسی نے اس کا خیال نہ کیا۔

جنازہ حسب آئین شاہانہ اٹھایا گیا ، اقربا، ملازمین، اراکین دولت سب جنازہ میں شریک تھے۔ جیتے جی ابوالنصر قطب الدین سلیماں جاہ سلطان عادل نوشیرواں حضرت شاہ زماں نصیرالدین حیدر بادشاہ غازی لقب تھا مرنے کے بعد خلد منزل کہلائے۔

دس برس پانچ یوم تک مرحوم کے سر پر تاج شاہی جگمگاتا رہا۔ نواب سعادت علی خاں نے اپنے انتقال پر چودہ کرور روپئے خزانہ میں چھوڑے تھے۔ اس میں سے قریب نصف کے غازی الدین حیدر نے صرف کئے، جو باقی بچے وہ شاہ مرحوم نے مع آمدنی سلطنت اپنی رنگ رلیوں اور دیگر امور میں خرچ کئے چنانچہ ان کی رحلت پر صرف سترہ لاکھ روپے خزانہ سے برآمد ہوئے جن میں ترپن لاکھ روپے قدسیہ محل کے متروکہ والے بھی شامل تھے۔ فتح الدولہ مرزا محمد رضا برقؔ نے شاہ مرحوم کی تاریخ وفات کہی۔

دہ سال پنج روز حکومت نمودہ شاہ
۱۲۵۳ھ

بو نصر قطب دیں وسلیمان روزگار
دردا به خلد رفت ازیں دار بے مدار
سال‌وفات خواست‌چو عقل‌دقیقه‌یاب
گفتا خرد که از غسق نجم کن شمار
۱۲۵۳ھ



آه ازیں چرخ سخت بے تمکیں
که مدارش نه جز بمرکز کیں
دے سر را که برفلک می شود
کردامروز جا بقعر زمیں
بملش بامرارت آغشته
نوش عیشش به نیش غم آگیں
سرگذشت شہنشه ماضی ست
جائے عبرت بچشم آخر بیں
بیں شه را که وے بیاری بخت
بود با صد شکوه تخت نشیں
گشت امروز تختۂ تابوت
مرقد خسرو نصیرالدین
حیف برنوجوانی شاه است
ورنه انجام ہر کس ست ہمیں

۱؎ قیصر التواریخ جلد اول ۲؎ سفرنامہ سلیمن صاحب بزبان انگریزی

آخر کار سال تاریخش
گفت واثقؔ شد آں بخلد بریں
۱۲۵۳ھ
(ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ جمادی الاخر ۱۳۶۶ھ رمئی ۱۹۴۷ء ص ۹ تا ۱۳)

## کربلائے نواب عظمت الدولہ لکھنؤ

یہ کربلا منصور نگر کے قریب محلہ مہدی گنج میں واقع ہے۔ اس میں صرف ایک عالیشان امامباڑہ بنا ہوا ہے جس میں عریض و طویل شہ نشیں اور دالان کے علاوہ بغلی درجے بھی تعمیر ہیں۔ راقم السطور نے اولاً اس کربلا کو پانچویں فروری ۱۹۳۳ء کو دیکھا تھا۔ اس وقت امام باڑہ کی حالت بہت خراب تھی چھتیں کھلی پڑی تھیں اور پوری عمارت مرمت طلب تھی، صرف چہار دیواری ثابت تھی۔ اس کے بعد ۸ جولائی ۱۹۴۵ء کو دوبارہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ امامباڑہ کی چھتیں پاٹ کر اندرونی جانب استرکاری بھی کرادی گئی ہے صرف تھوڑا سا بغلی حصہ قابل مرمت رہ گیا ہے۔ امامباڑہ کے سامنے وسیع صحن ہے جس میں تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ صحن کی حد بندی کے لئے سامنے کی طرف اور دونوں پہلوؤں میں پختہ دیواریں بھی بنی ہیں۔ احاطہ کے اندر امام باڑہ کے مقابل جانب ایک مسجد بھی کسی خانم صاحبہ کی ۱۸۸۲ء کی تعمیر کردہ موجود ہے جس کی تاریخ تعمیر ''منزل دین'' (۱۸۸۲ء) ہے مسجد میں ایک قطعہ تعمیر بھی لگا ہوا ہے مگر بوجہ بوسیدگی پڑھا نہیں جاسکا۔

شہ نشین پر ایک چوبی ضریح رکھی ہوئی ہے جو اودھ الکٹرک کمپنی لکھنؤ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضۂ مقدس کے اندرونی حصہ سے مشابہ کرکے تیار کی تھی اور لکھنؤ کی ایک نمائش میں بغرض ہدیہ رکھ دی گئی تھی۔ اس ضریح کی شبیہ بھی ۱۳۵۴ھ میں اخبار سرفراز کے محرم نمبر کے سرورق پر شائع ہوچکی ہے۔

کربلا کے باہری جانب بھی کچھ آراضی پر تعزیے دفن ہوتے ہیں اور اس کی مرمت شکست وریخت ودیگر امور کے لئے کافی آمدنی کی جائداد بھی وقف ہے۔ بخشو کاغذی کا قدیم تعزیہ اکیسویں صفر کو اسی کربلا میں جاتا ہے اور فقیر کا تعزیہ بھی ۲۲ رصفر کو یہیں دفن ہوتا تھا۔

اس کربلا کو ابتداً جناب صفوۃ العلماء سید محمد باقر صاحب مجتہدی مخاطب بہ منصف الدولہ شریف الملک بہادر نے تعمیر کرایا تھا آپ جناب مولوی سید محمد صاحب سلطان العلماء کے نور نظر اور غفرانمآب جناب مولوی سید دلدار علی صاحب نصیر آبادی کے پوتے تھے۔

پورا شجرۂ خاندان حسب ذیل ہے۔

حضرت غفرانمآبؒ مولوی سید دلدار علی صاحب ابن مولوی سید محمد معین صاحب۔ ان کے پانچ فرزند تھے۔

(۱) مولوی سید محمد صاحب (سلطان العلماءؒ) (۲) مولوی سید علی صاحب (۳) مولوی سید حسن صاحب (۴) مولوی سید مہدی صاحب (۵) مولوی سید حسین عرف میرن صاحب (سید العلماء علیین مکان)۔ سب سے بڑے بیٹے مولوی سید محمد صاحب کے بیٹے سید محمد باقر صاحب (منصف الدولہ)، ان کے بیٹے مولانا سید محمد جعفر امیدؔ اور بیٹی محترمہ قمر النسا بیگم صاحبہ۔ سید محمد جعفر امیدؔ کے بیٹے مولانا سید محمد کاظم صاحب جاویدؔ جو لاولد فوت ہوئے۔ محترمہ قمر النساء بنت مولوی سید محمد باقر صاحب کی بیٹی محترمہ بدرا لنساء بیگم صاحبہ تھیں۔ جو سید العلماء مولانا سید محمد ابراہیم صاحب کو منسوب ہوئیں۔

غفرانمآبؒ کے سب سے چھوٹے فرزند مولوی سید حسین علیین مکان سے ممتاز العلماء مولوی سید محمد تقی صاحب ہوئے۔ ان کے بیٹے سید العلماء مولانا سید محمد ابراہیم صاحب تھے۔ جن سے دو بیٹے (۱) مولوی سید محمد تقی صاحب (۲) مولوی سید ابوالحسن صاحب اور ایک بیٹی ہوئی۔ مولوی سید محمد تقی صاحب سے دو فرزند ہوئے (۱) مولوی سید محمد صاحب عرف میرن صاحب (۲) زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب۔

حضرت امجد علی شاہ جو ۱۶ رمئی ۱۸۴۲ء سے لے کر ۱۳ر فروری ۱۸۴۷ء تک فرمانروائے اودھ رہے اور امور دینداری خدا پرستی اور پابندی صوم وصلوٰۃ میں اپنے آبائے کرام پر سبقت

لے گئے تھے۔ ۱؎ جس کو انگریز مورخوں نے یوں ظاہر کیا کہ ان کے مزاج میں بمقابلہ حکومت وسیاست مذہبیت ومولویت کا عنصر غالب تھا مولوی عبدالحلیم شرؔ مرحوم بھی ''گذشتہ لکھنؤ'' میں امجد علی شاہ کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ وہ بڑے ثقہ اور متقی اور پرہیز گار تھے۔ مناہی سے بچتے اور امور شریعت کی پوری پابندی کرتے اور کوئی کام بغیر جناب قبلہ وکعبہ کی اجازت کے نہ کرتے۔

موصوف ۲؎ نے بوجہ حسن عقیدت وخلوص نیت محکمۂ قضا سلطان العلماء وسید العلماء کے اختیار میں دے دیا تھا ان ہی دنوں مجتہدوں کی تحقیقات اور تجویز سے مقدمات فیصل ہوتے تھے۔ اہلسنت کے عدالتی مقامات کے تصفیہ کے لئے بھی مفتی تمام قلمرو میں انھیں دونوں کی رائے سے مقرر ہوئے تھے۔ بادشاہ کے یہاں سے قریب ۳لاکھ روپیہ سالانہ کی زکوٰۃ نکلتی تھی وہ بھی انہی دونوں بھائیوں کے حوالے کردی جاتی تھی اس کی تقسیم بھی ان ہی دونوں صاحبوں کی تجویز اور مشورہ سے ہوتی تھی۔ سلطان العلماء ۳؎ مشورہ سے ایک مدرسہ دینیہ بھی بڑے پیمانہ پر جاری کیا گیا تھا جس میں طلاب کو معقول وظائف ملتے تھے اور کملاء درس دیتے تھے۔ بادشاہ ۴؎ سلطان العلماء کو بڑے قبلہ وکعبہ کہتے تھے۔ ان کے بعد اور سب لوگ بھی ان کو بڑے قبلہ وکعبہ کہنے لگے آپ کا وہ شہرہ واقبال ہوا کہ حضرت امجد علی شاہ آپ کے دولتخانہ پر بھی تشریف لے جاتے تھے اور نہایت انکسار وتواضع سے پیش آتے تھے۔

محکمۂ عدل وانصاف کے علاوہ بادشاہ نے محکمۂ آبکاری بھی آپ کے حوالہ کردیا تھا جس پر شیخ گوہر علی مشیرؔ نے اپنے مخصوص شوخیانہ انداز میں یہ شعر کہا۔

جناب قبلہ وکعبہ کی آبکاری ہے
شراب جو نہ پئے ان دنوں وہ ناری ہے

۱؎ قیصر التواریخ ۲؎ قیصر التواریخ
۳؎ سوانح عمری محمد کاظم
۴؎ تاریخ اودھ مولانا نجم الغنی حصہ پنجم

سلطان العلماء کے بیاہتا بیوی سے چار فرزند حسب ذیل تھے (۱) سید محمد باقر صاحب (۲) سید محمد صادق صاحب (۳) سید محمد مرتضی صاحب (۴) سید عبداللہ صاحب۔ ان میں سید محمد باقر صاحب سب سے بڑے تھے مابقی اولاد دوسرے بطنوں سے تھی۔ حضرت امجد علی شاہ نے تاج پوشی پر سلطان العلماء کے پسر اکبر مولوی سید محمد باقر صاحب کو خطاب ''منصف الدولہ'' عطا کر کے انھیں عدالت دیوانی وفوجداری کا مہتمم مقرر کیا تھا۔

منصف الدولہ کی ولادت بقول مصنف ورثۃ الانبیاء بمقام لکھنؤ ۱۲۱۴ھ میں ہوئی مگر خاندان اجتہاد کے اراکین اس پر یک زبان ہیں کہ ان کی وفات بعمر ساٹھ سال ۱۲۷۶ھ میں ہوئی جیسا کہ لوح مزار کے اشعار سے ظاہر ہے اس حساب سے ان کا سال پیدائش ۱۲۱۶ھ جیسا کہ مصنف مذکور الصدر نے ظاہر کیا ہے۔

صاحب تذکرۃ العلماء بھی منصف الدولہ مرحوم کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ''مرحوم جامع معقول ومنقول وحاوی فروع واصول وسخی تھے۔ عزاداری میں انہماک تھا اور جب راہ میں تعزیہ مل جاتا تھا تو اس پر ضرور کچھ چڑھاتے تھے بلکہ اکثر شہر کے عزاخانوں پر جاکر ہر مذہب والے کے تعزیہ پر چڑھاتے تھے ذہانت وذکاوت وطباعی تو آپ کی خاندانی وراثت تھی اور جناب علیین مکان اور سلطان العلماء سے تلمذ تھا۔''

مصنف مذکور ایک دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں ''جناب جاویدؔ صاحب فرماتے تھے کہ لکھنؤ مہدی گنج کی کربلا میں مسجد ۱؎ وکنواں

۱؎ مسجد پر تاریخ تعمیر جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ''منزل دین'' لگی ہوئی ہے جو اس امر کا ناقابل انکار ثبوت ہے کہ خانہ خدا ۱۲۸۲ھ میں تعمیر ہوا جس کو ۶۵ سال کا عرصہ گذرا۔ چونکہ منصف الدولہ ۱۲۷۶ھ میں اب سے نوے سال قبل یعنی تعمیر مسجد سے ۲۵ سال قبل رحلت کر چکے تھے اس لئے ہم جاویدؔ صاحب کا یہ بیان صحیح تسلیم کرنے سے بالکل قاصر ہیں کہ مسجد منصف الدولہ کی تعمیر کردہ ہے ہمیں اس کا بھی افسوس ہے کہ تاریخ العلماء کے جیسے ذمہ دار مصنف نے اس بیان کو آنکھ بند کر کے بغیر جانچ وتحقیق کیے کتاب میں درج کردیا جس سے اتنی بڑی غلط فہمی پیدا ہوئی۔ تصدق حسین تھا

وغیرہ آپ ہی نے (یعنی منصف الدولہ نے) بنوائی تھی جو اب عظمت الدولہ بہادر کی کربلا مشہور ہے تعزیوں پر چاندی سونے کے پھول چڑھاتے تھے سخی ایسے تھے کہ حضرت فردوس منزل امجد علی شاہ نے آپ کو بیش قیمت دوشالہ یہ کہہ کے عنایت فرمایا کہ میری خوشی یہ ہے کہ یہ آپ کے پاس رہے وہ قبول فرمالیا مگر آپ نے ایک مومن کو دے دیا کہ ان کی لڑکی کی شادی تھی اور ان کے یہاں سامان شادی نہ تھا۔

علم کلام میں ان کی بہت ممتاز حیثیت تھی۔ صاحب تصانیف تھے۔ تشیید المعانی ان کی مشہور کتاب ہے جو عہد شاہی میں طبع ہوئی تھی۔ علم طب میں بھی موصوف کو کافی دستگاہ تھی۔ زمانہ شاہی میں پانچ سو روپیہ تنخواہ مقرر تھی شریعت کدہ سرائے معالی خاں سے قریب اس سڑک پر تھا جو وکٹوریہ پارک سے کاکوری کو گئی ہے۔

بوجہ سادگی و منکسر المزاجی مکان خام رکھا تھا جس پر کھپریل پڑی ہوئی تھی مگر محل سرا کے نام سے مشہور تھا۔ مکان مذکور کراملن روڈ (Crommelin Road) نکلنے پر سڑک میں آ گیا۔ جائے سکونت سے قریب ہی محل سرائے معالی خاں میں موصوف نے ایک امام باڑہ اور مسجد بھی تعمیر کرائی تھی امام باڑہ تو اب باقی نہیں ہے مگر مسجد بطور ان کی یادگار کے بہت بوسیدہ حالت میں اب تک موجود ہے اور اہل دنیا کی غفلت و لاپرواہی کا رونا رو رہی ہے۔

یہ دونوں عمارتیں اس سڑک کے بالکل نکڑ پر داہنی جانب واقع ہیں جو سرائے معالی خاں سے نوازگنج کو گئی ہے۔ عشرہ کے دن موصوف سروپا برہنہ کربلا کو جاتے تھے۔ ان کا تعزیہ ۲۰؍ صفر کو اٹھتا اور ۲۸؍ صفر کو حضرت امام حسنؑ کا تابوت بڑے تزک و احتشام سے اٹھاتے تھے۔ سبز تابوت پر سبز ہی شامیانہ بھی ہوتا تھا۔ ۲۰؍ صفر کے تعزیے میں مستورات بھی شریک ہوتی تھیں۔ ہر سواری کے اترتے وقت عورتیں منہ ڈھانکتی تھیں اور جب تک کہ حاضری کے خوان کربلا سے نہ آجاتے کوئی کھانا نہ کھاتا۔

عید بقرعید کو جو خلعت آتا تھا وہ نہایت بیش قیمت ہوتا تھا چنانچہ سید محمد کاظم ملازم مدرسہ سلطانیہ بھی اپنی خودنوشت سوانح عمری میں لکھتے ہیں۔

بروز ہائے اعیاد کہ خلعت بجناب اجتہاد مآب عنایت می شد بہتر از خلعت وزارت مع فیل و اسپ و شمشیر و پالکی وغیر آنہا می بود و بہ مقتضائے حسن عقیدہ و دینداری بادشاہ خود گاہ گاہ بخانہ جناب مجتہد العصر تشریف فرما می شدند۔''

ایک دوسرے مقام پر تقسیم زکوٰۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت اقدس و اعلیٰ بہ لحاظ کمال پابندی شرع زکوٰۃ مال خود کہ زیادہ از سہ لکھ روپیہ می شد ہرسال برآوردہ بخدمت جناب مجتہد العصر می فرستادند کہ بہ محتاجین و مساکین تقسیم فرمایند درآں ایام بر دولت خانہ جناب قبلہ و کعبہ اژدہام خلائق و ہجوم خواص و عوام بیرون از حد حساب و شمار می شد۔ پیش دروازہ تمام شارع عام پر از مرد مان می شد و مستورات بسواری سوار شدہ می آمدند ہریکے بہ مطلوب خودہا میر سید واحدے محروم و مایوس نمی گردید چوں دراں ہجوم عوام اکثر کسانیکہ مستحق نمی بودند می گرفتند لہٰذا در سال دیگر تجویز شد کہ بہ شہادت مقرین کسانیکہ استحقاق گرفتن زکوٰۃ داشتہ باشد درماہ برائے آنہا معین شود پس ہریکے از مخصوصان قبلہ و کعبہ اسمائے عزیزاں، دوستان اہل جوار خود در فروے نوشتہ پیش نمود اسمائے انہا در دفتر سرکاری نوشتہ تنخواہ برائے ہر کسے علیٰ قدر حال جاری گردید کہ ماہ بماہ می گرفتند۔

منصف الدولہ کو پرشدی پور ضلع رائے بریلی تحصیل سلون کے رئیس میر امیر علی صاحب کی صاحبزادی خیرالنساء بیگم منسوب تھیں جن کے بطن سے صرف ایک صاحبزادے سید محمد جعفر صاحب امید

تھے۔ان کی وضع قطع اس زمانہ کے شرفا کی تھی یعنی سر پر چوگوشیہ ٹوپی گلے میں انگرکھا، ایک ایک کلی کا غرارہ دار پائجامہ اور پاؤں میں گھیتلا جوتا۔ یہ بڑے ظریف الطبع ذہین میر انیسؔ کے معاصر تھے۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ مطابق ۲۰ راپریل ۱۸۷۶ء میں صرف ایک صاحبزادے سید محمد کاظم صاحب جاویدؔ صاحب کو چھوڑ کر انتقال کیا۔جاویدؔ صاحب بڑے پایہ کے شاعر تھے۔نواب بہادر حسین خاں انجمؔ نے ان کی شان میں کہا ہے۔

اس عہد میں بس ہیں پانچ شاہان سخن
حقا کہ انھیں کے دم سے ہے شان سخن
جاویدؔ و عروجؔ وعارفؔ واوجؔ و رشیدؔ
یہ پنجتنؑ پاک ہیں ایمان سخن

راقم السطور نے حضرت جاؔوید کو اپنے عنفوان شباب میں دیکھا تھا۔چہرہ گول اور سر پر پٹے تھے رنگت کھلتی ہوئی سانولی، ہاتھ پاؤں گداز، خط بنا ہوا، سر پر چوگوشیہ ٹوپی، گلے میں انگرکھا، اس کے نیچے ڈھیلے پائچوں کا پائجامہ، پیروں میں بکسوئے دار جوتا یا فل سلیپر استعمال کرتے تھے۔انھوں نے لاولد انتقال کیا۔ منصف الدولہ کی صاحبزادی قمر النساء بیگم زبدۃ العلماء سید علی نقی صاحب ابن سید العلماء کو منسوب تھیں موصوفہ نے کربلائے معلیٰ میں ۱۹ر جون ۱۸۷۸ء کو انتقال کیا یہ قطعہ تاریخ قمری سال وفات کو ظاہر کرتا ہے۔

لقد هاجرت قمرالنساء تشوقا
الیٰ مشهد السبط الشهید تعزیة
قضت نجمها فی کربلاء مریضة
فکان کما نتوی بها من اقامه
اقامت بقبر من بقاء شریفة
ببهجتها فاقت حدائق جنه
بدت مثل بدر فی سماء غصا نها
عواها فسوف فی زمان اناره
قد انخسفت قلنا مجیبین لسؤ لهم

۱۲۹۵ھ

اذا استنبؤا من عام تلک الرزیه

موصوف کی نواسی بدر النساء بیگم شمس العلماء مولوی سید محمد ابراہیم صاحب سے کدخدا ہوئیں تھیں جیسا کہ اس قطعہ سے واضح ہے۔

خلف الصدق سیدالعلماء
ببلاد و دیار می نامد
پسر اوست سید ابراہیم
به بساط عروسی آرامد
یا الٰہی مدام بادۂ عیش
به ایاغ سرور ان نامد
شب چوں آں ماه کد خدا گردید
ابتدایش بخیر انجامد
کرد سالش رقم دبیر فلک
مشتری زاں بعقد مه آمد

عربی کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقریب ۱۸ر ذی الحجہ کو قرار پائی تھی۔

ولد المجتهد محمد التقی
خلافه بحیاته متفرج
هو لیلة العید الغدیر مناکح
ارخت فی ذی حجه متزوج

یہ تاریخ کیوانؔ شاعر نے نظم کی ہے۔

منصف الدولہ نے ۱۰ر جمادی الاخری ۱۲۷۶ھ مطابق ۶ر دسمبر ۱۸۵۹ء کو اپنے والد کے سامنے اس دار ناپائدار کو خیر باد کہا اور امامباڑہ غفرانمآب کے وسطی درجہ میں دفن ہوئے۔اس سے قبل برادر خورد سید العلماء بھی داغ مفارقت دے چکے تھے جس سے موصوف کو صدمۂ عظیم ہوا تھا۔سنگ مرمر کے لوح مزار پر یہ اشعار کندہ ہیں۔

عالی نسب والا حسب با قر لقب
رفت و شور ماتمش از ماه تا ماہی شده

زیں بلا کزد آسمان نیلگوں چوں می چکد
می تواں گفتن که رنگ شرع دین کاہی شده
خسته شد زیں درد طبع قبله ارباب دیں
گرچه دررم لیک دل را زیں غم آگاہی شده
بود کم گویا غم جاں سوز علیین مکاں علیہ رحمۃ اللہ
کز سر نوایل سرو سامان جاں کاہی شده
سال تاریخ وفات اکبر اولاد او
منصف الدوله سوی دارالبقاء راہی شده

مفتی میر عباس صاحب نے بھی یہ تاریخ وفات نظم کی

باز ایں چه شیون است که دل میرود ز دست
باز ایں چه تازه ناله دریں کهنه گنبد است
بیمار گشته مجتهدالعصر از الم
درد فراق اکبر اولاد بے حد ست
شد فوت چونکه بسمله دفترخرد
مجلس برائے فاتحه خوانی بنا شدست
تاریخ بزم تعزیتش از سر ادب
رسم عزائے باقر آل محمد است

راقم مضمون کو اپنے محب محترم و اخلاق مجسم جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب کی عنایت و نوازش سے منصف الدولہ بہادر کی عکسی تصویر بھی دیکھنے میں آئی جس کی عکاسی اصغر جان صاحب فوٹو گرافر مشکور الدولہ واقع قیصر باغ نے موصوف کی قلمی تصویر سے کی تھی قلمی تصویر روز وفات بنائی گئی اس وقت سن شریف ساٹھ سال کا تھا اس شبیہ میں موصوف گاؤ تکیہ سے لگے بیٹھے ہیں بائیں جانب تکیہ پر استخارہ کے لئے کنٹھا رکھا ہے جس کے برابر ہی اگالدان پر ایک طرف بینی پاک ہے سامنے کی جانب رحل پر قرآن شریف ہے۔

رنگت گوری سر کے بال اور داڑھی مونچھیں بالکل سفید لبیں کتری ہوئی ہیں۔ چہرہ چوڑا چکلا شاندار اور بھرا ہوا۔ آنکھیں بڑی بڑی پیشانی چوڑی، اعضا متناسب، داڑھی کترواں کے حدود سے کچھ یوں ہی سی بڑھی ہوئی۔ سر پر چوگوشیہ ٹوپی، گلے میں انگرکھا جس پر سے دوشالہ اوڑھے ہوئے ہیں۔

یہ کربلا بعد میں عظمت الدولہ کے قبضہ میں آ گئی۔ کتب تواریخ سے یہ پتہ تو مطلق نہیں چلتا کہ یہ منتقلی کس سنہ اور کن حالات میں ہوئی البتہ منشی رام سہائے تمنا اپنی تصنیف ''افضل التواریخ'' مطبوعہ ۱۸۷۹ء میں صرف اس قدر تحریر کرتے ہیں کہ:

''اس کربلا کو جو عرصہ سے انقلاب زمانہ کی بدولت ویران پڑی تھی نواب عظمت الدولہ کوشش کر کے اپنے اختیار میں لائے اور بصرف کثیر اس کو آراستہ کیا۔ علاوہ عشرہ محرم کے چہلم کے بعد تک ہزار ہا تعزیے اس کربلا میں دفن کرنے کو آتے ہیں روشنی کا انتظام نہایت عمدہ ہوتا ہے سقہ ہائے آب کش ہر سو واسطے چھڑکاؤ اور تسکین تشنگان ماتم ساغر بکف گشت کرتے ہیں تقسیم حصہ پلاؤ، شیر مال وغیرہ بقدر اندازہ و مناسب خوب ہوتی ہے۔ سڑک جدید منصور نگر سے کربلا کے پھاٹک تک ممدوح کی کوشش سے درست ہوئی ہے۔ ڈیوڑھی ان کی عالیشان لب سڑک مابین محلہ فرنگی محل و گھڑیالی کے واقع ہے شان مکان عظمت مکین سے ظاہر ہے۔

عظمت[1] الدولہ معظم الملک سید محمد رضا خاں انتظام جنگ اور معز الدولہ احتشام الملک سید محمد تقی خاں بہادر اسد جنگ دو سگے بھائی مفخر الدولہ مرزا ابوالقاسم خاں جنرل فوج کے بیٹے تھے جن کو شاہ غازی الدین حیدر کی بیٹی نواب بیگم منسوب تھیں۔

معز الدولہ کی شادی حضرت امجد علی شاہ کی بیٹی سلطنت آرا بیگم سے ۱۷ مئی ۱۸۵۰ء کو بزمانہ شہریاری جان عالم واجد علی شاہ ہوئی تھی۔ تمنا صاحب ان کی بابت افضل التواریخ میں لکھتے ہیں:

''وہ عظیم الشان زندگی بسر کرتے ہیں جو دستور خاندانی ہیں ان کی پابندی دل سے کرتے ہیں سرکار انگلشیہ میں ان کا اعزاز درجہ اعلیٰ پر قائم ہے۔ سرکاری درباروں میں بڑی عزت کے ساتھ طلب کئے جاتے ہیں۔ پابندی عقائد مذہب کا بھی بڑا خیال ہے۔ حسن اخلاق ان کا شہرۂ خاص و عام ہے۔''

نواب عظمت الدولہ[2] کی شادی بھی ۱۷ مئی ۱۸۵۰ء کو

[1] قیصر التواریخ
[2] قیصر التواریخ

آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ کی بیٹی نواب سپہر آرا کبریٰ بیگم سے ہوئی تھی جو سلیمان محل سے تھیں مگر عظمت الدولہ کے والد مرزا ابوالقاسم نے شادی میں شرکت نہیں کی وہ قبل ہی سے ناخوش ہو کر عتبات عالیات کو روانہ ہو گئے تھے۔ ان کو یہ نسبت پسند نہ تھی اور اپنے بیٹے کی شادی اپنے اقربا میں کرنا چاہتے تھے مگر ان کی بیوی نے ان کا کہنا نہ مانا کئی برس تک مجاور رہے زیارت مشہد مقدس سے بھی مشرف ہوئے۔ اخراجات کی تکلیفیں بھی برداشت کیں سرکاری پنشن وہیں بھیجی جاتی تھی خود غریبانہ زندگی بسر کرتے تھے جو کچھ بچتا تھا سب مجاوروں کو محتاجوں اور ہندوستانی مسافروں کی نذر کر دیتے تھے کئی مکانات بھی خریدے تھے جن میں زائرین قیام کرتے تھے۔ جب تک زندہ رہے اسی طرح زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کرتے رہے۔ زائرین ان کے بہت شکر گذار تھے انھوں نے اسی دیار حبیب میں اپنا نقد حیات بھی تصدق کر دیا بعد طوفان غدر ۱۸۵۷ء جب انگریزوں کی دوبارہ عملداری ہوئی تو کپتان کارنیگی (Capt. Carnegy) نواب عظمت الدولہ کی کئی لاکھ روپیہ کی مالیت کا کل ساز و سامان لے کر چلے گئے۔ موصوف اس وقت صرف لنگی باندھے بیٹھے تھے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ پہننے کے کپڑے تک نہ چھوڑے۔ نواب نے اپنا گھوڑا ماموں کے ہاتھ ہزار روپیہ کو فروخت کیا اور تب کپڑے نصیب ہوئے مابعد نواب نے سرکار میں متواتر عرض حال کیا مگر کچھ سماعت نہ ہوئی۔

نواب عظمت الدولہ نے اپنے بیٹے افتخا الدولہ فخر الدین علی خاں عرف نواب بنے صاحب کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی ہاتھی پر سے بکثرت روپیہ لٹایا گیا نواب بنے صاحب کی بیٹی نواب سکندر آرا آمنہ بیگم مرزا جمشید قدر عرف نواب بنے صاحب کو منسوب تھیں۔

۲۸ر مئی ۱۹۳۹ء کو انتقال کیا اور کربلائے عظمت الدولہ میں سپرد خاک کی گئیں۔ ان کی ذریت لکھنؤ میں موجود ہے۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ، لکھنؤ رجب ۱۳۶۶ھ/ جون ۱۹۴۷ء ص ۲۵ر تا ۲۷ر



## رباعیاں

دعبل ہند مولانا سید فرزند حسین ذاخرؔ اجتہادی

مژدہ ہو خلیل اب وہ ولادت پہنچی
جو کی تھی دعا اس کی بشارت پہنچی
کعبہ میں ہوا مصحفِ ناطق پیدا
قرآن کو طے کر کے امامت پہنچی

*

ہے کس کو شرف مادرِ حیدرؑ کی طرح
تا کعبہ جب آئیں دلِ مضطر کی طرح
اعجازِ نمازِ زورِ علیؑ یہ بھی تھا
دیوار کو توڑا درِ خیبر کی طرح

* * *